آصف رضا

مبارزت

تیرگی کے سامنے
کبھی سپر نہ ڈالنا
کٹھالیوں میں
سیاہ سورجوں سے صبح کا عرق
کرن کرن نچوڑ کر
اپنے مہر و ماہ ڈھالنا

عابدین

وہ حکایت کون ہے جس کو
برف کے قرطاسِ ابیض پر کرتے ہیں رقم
اُن کے حریفانہ قدم؟

عابد بجاتے چٹکیوں میں گھنٹیاں—
نیستی کے صُلب میں پا کر وجود
ہیں گامزن سوئے فنا
حرکت میں رکھتی ہے انہیں
آرزوئے افراز کی

تجسیم ہیں کس خواب کی
بے اصل ان کی ہستیاں؟

ناگفتہ و ناگفتنی

سرِّ نہاں۔

چوٹی کی ہیبت ناک موسیقی
آمدِ طوفان کے آثار ہیں

اِک ہیولیٰ
برف کے کوہان پر اسوار ہے
تھامے مہار —
دیوتاؤں کا نگر؟

شاید نہیں اِن کو خبر
کہ اپنے جبڑے کھول کر
ہے منتظر ان کو نگلنے کے لیے
قعرِ سیاہ۔

ناگفتہ

بینا آنکھیں دنیا جھانکیں
لب جنبش میں لائیں
اُن کے پیچھے
دو نابینا آنکھیں
باطن کے گھور اندھیرے میں جو
اپنی پلکیں جھپکائیں۔
ہونٹ ہلانا جب چاہیں
تو ان کو مجبور پائیں۔

آبِ خاموشی سے ابھری الفاظ کی کشتی
سنگین چٹانوں سے ٹکراتی ہے
اور ریزہ ریزہ ہوکر
ناگفتہ کے بحرِ بے پایاں میں
گم ہوجاتی ہے۔

ناچ

ٹوٹتی اپنی رگوں کا شور ہی
وہ زمزمہ ہے
جس کو سُن کر چونکتی ہے
سر بزانو روحِ تو
غم کے افق پر دیکھتی ہے
صبح اِک ہوتی طلوع

مرطوب سورج کے تلے
چھیڑتا ہے زمزمہ اپنا، حزیں
مطربوں کا سرمدی اِک طائفہ
جس کی گت پر
ماتمی ملبوس پہنے ناچتی ہے زندگی۔

شجر

قائل اُسے کرتی ہے شب
افسردگی سے سر ہلاتا ہے

قدآور اِک شجر

دھند کا پردہ اٹھا کر جب دبیز
صبح کرتی ہے نمود
اُس کو پاتی ہے کھڑا
آمادگی سے سرنگوں

عندیہ دیتی ہے جب تو
زورآور، اس کی کارندہ ہوا،
جھنجھوڑ کر اُس کا
خشونت سے ہلاتی ہے تنا

سر دیے اپنے پروں میں، خواب بیں
اپنی آنکھیں کھول کر، وحشت زدہ،
اڑتے ہیں شاخوں سے طیور—
طفلگی کے اس کے ساتھی
اور رفیق و غمگسار۔

تب توڑتی ہے اُس کے اعضائے بدن—
شاخچے، شاخیں، ثمر
اور مٹھیوں سے پھینکتی ہے
اُس کے پتّے نوچ کر

اثبات جو کرتا تھا اُس کی ذات کا
اب چھن چکا ہے اس سے وہ سایہ گھنا
اُس کی بجائے وہ زمیں پر دیکھتا ہے

نقش جو ہے اجنبی—
دھوپ میں برفاب سورج کی کھڑا
اِک کانپتا ننگا تنا!

اپنے رگ و ریشے میں خوں
منجمد ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے اُسے
اور بھاری اپنی جڑ پر
اِک کلہاڑا، آہنی

خوف کے سرسبز جنگل میں
دلخراش اِک چیخ ہوتی ہے بلند

ٹوٹا ہوا جنگل میں دیوانی ہوا کا شور ہے
گمبھیر خاموشی میں جس کی گونجتا
آراکشی کا شور ہے۔